مطبوعات

"رسالہ" بزبان انگریزی تالیف: حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ مرتب و مترجم: ڈاکٹر خلیل آئی سیمان صاحب ایم، اے، پی، ایچ، ڈی۔ شائع کردہ: شیخ محمد اشرف صاحب کشمیری بازار لاہور۔

حضرت امام شافعیؒ کی شخصیت دنیائے اسلام میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اسلامی فقہ کی ترتیب و تدوین میں امام صاحب نے جو قابلِ قدر خدمات سرانجام دی ہیں اُن کے بارِ گراں سے امتِ مسلمہ کبھی بھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ امام موصوف کے ارشادات ایک ایسا بیش قیمت علمی ترکہ ہے جس پر ملتِ بیضا نے ہمیشہ بجا طور پر فخر محسوس کیا ہے اور ان کے اندازِ فکر سے رہنمائی حاصل کی ہے۔ زیرِ نظر کتاب "الرسالہ" امام صاحب کے چند بنیادی افکار کا قیمتی مجموعہ ہے۔ فاضل مترجم نے کتاب میں "الرسالہ" کے اُن حصّوں کا ترجمہ پیش کیا ہے جو ناسخ و منسوخ کی بحثوں پر مشتمل ہیں اور کتاب کے باقی مباحث کو بڑے اختصار کے ساتھ مقدمہ میں درج کر دیا ہے۔

امام صاحبؒ کے یوں تو سارے افکار و تصورات ہی بنیادی اہمیت کے حامل ہیں لیکن خاص طور پر ان میں "عقیدہ ختمِ نبوت" اور اسلام میں سنت نبوی کی حیثیت پر بڑے ایمان افروز حقائق پر مشتمل ہیں:۔

"ایک مومن کو سنتِ نبوی کی بھی اُس جذبہ کے ساتھ پیروی کرنی چاہیے جس جذبہ کے ساتھ کہ وہ کتابِ الٰہی کی پیروی کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب و حکمت دونوں سے نوازا ہے۔ . . . اس سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ حکمت سے مراد سنتِ نبوی ہی ہے۔ اس بنا پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے

جو حکم دیا ہے اُس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عین فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس بات کا حکم صادر فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی خدا کی اطاعت ہے اور آپ سے رُو گردانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے" (ص ۲۳-۲۵)

اس کتاب کے مطالعہ کے وقت دو ایک چیزیں ایسی کھٹکتی ہیں جن کی اگر آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو جائے تو بہت بہتر ہو گا۔ ایک تو امام صاحب کے افکار و نظریات کو اتنے اختصار سے پیش کیا گیا ہے کہ ان کا مجموعی تاثر کافی کمزور رہتا ہے۔ پھر ان کے درمیان اُس معنوی ربط کو بھی قائم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی جو اس قسم کی عالمانہ تحریروں کی جان ہوتا ہے۔ کتاب کے مرتب اور مترجم ایک فاضل آدمی معلوم ہوتے ہیں لیکن انہوں نے آغاز میں ایک سرسری سا مقدمہ لکھنے پر اکتفا کیا ہے جس کو پڑھنے کے بعد ایک قاری تشنگی محسوس کرتا ہے۔ مثال کے طور پر انہوں نے الرسالہ کی علمی حیثیت پر صرف شاکر صاحب اور رازی صاحب کی دو آراء درج کر دی ہیں۔ انہوں نے یہ بحث اٹھائی ہے کہ بعض اہلِ علم اس کتاب کو امام شافعیؒ کی تصنیف ماننے سے انکار کرتے ہیں لیکن اس کے حق میں، یا اس کے خلاف انہوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی اور جس رسمی انداز سے اس بحث کو چند فقروں میں سمیٹا ہے وہ ان کے بلند علمی مرتبہ کے شایانِ شان معلوم نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر یہ فقرہ ملاحظہ فرمائیں:

"جہاں ایک طرف ہمیں ایک ایسی روایت ملتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ امام صاحب کی تصنیف نہیں وہاں ہمیں اس کے برعکس بھی بیسیوں روایات مل جاتی ہیں" (ص ۹)

اس اندازِ بیان کو کسی طرح تحقیقی نہیں کہا جا سکتا۔ پھر بعض مقامات پر اس انداز سے ترجمہ کیا گیا ہے کہ مطلب اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔ مثلاً یہ:

"حدیث کی صحت اُس وقت ہمیشہ محلِ نظر ہوتی ہے جب اُس کے رواۃ کی تعداد معقول حد سے تجاوز کر جائے" (ص ۲۹)

ان چند چیزوں کے باوجود جن کی حیثیت محض گزارشات کی ہے، کتاب بڑی قابلِ قدر ہے اور اس کے ایک ایک حرف سے ہمارے اسلاف کی علمی ثقاہت جھلکتی ہے۔

شیخ صاحب نے اس کتاب کو اپنے روایتی اونچے معیار کے مطابق طبع کرایا ہے۔ کتاب کے صفحات ۶۹ ہیں اور قیمت ۵ روپے جو زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

اقبال کا نظریۂ اخلاق تالیف پروفیسر سعید احمد رفیق، ایم، اے گورنمنٹ کالج کوئٹہ۔ شائع کردہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور۔ صفحات ۲۱۴۔ قیمت چار روپے۔

زندگی میں اخلاق کی ضرورت اور اہمیت سے کوئی ہوشمند انسان صرفِ نظر نہیں کر سکتا۔ اخلاق دراصل اُن اصولوں اور ضابطوں کا نام ہے جن کے مطابق انسانی افعال و اعمال پر نیک و بد، محمود و مذموم کا حکم لگایا جا سکتا ہے اور اُن کی قدر و قیمت متعین ہوتی ہے۔

پروفیسر سعید احمد رفیق صاحب نے اپنی کتاب میں اخلاقی اصول و نظریات پر کافی سیر حاصل اور مفید بحث کی ہے۔ لیکن بیجا نہ ہوگا اگر ہم اس سلسلہ میں ان کی خدمت میں چند گزارشات پیش کریں۔ ایک تو یہ کہ انہوں نے اقبال کی طرف سے اخلاقی قدرِ اعلیٰ "خودی" کو قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ فیصلہ علامہ اقبال مرحوم کے ساتھ سراسر زیادتی ہے۔ اقبال کے نزدیک ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے منزلِ مقصود "خودی" یا "انا" نہیں بلکہ رضائے الٰہی ہے۔ "استحکامِ خودی" یا "ارتقائے خودی" قربِ الٰہی کا صرف ایک ذریعہ ہے، مقصد نہیں۔ ان کا خیال تھا کہ ناپختہ خودی اور خام قسم کا انا خدا تک رسائی نہیں حاصل کر سکتا اور نہ خلافت فی الارض کے تمام فرائض بوجہ احسن ادا کر سکتا ہے۔ فاضل مصنف نے ہر جگہ خودی کو ہی علامہ مرحوم کا منتہائے مقصود بنایا ہے۔ افسوس ہے کہ جس چیز کو اقبال مرحوم نے ذریعہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے اُسے پروفیسر صاحب نے اصل منزل سمجھ لیا ہے۔ فاضل مصنف پیش لفظ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"انہوں نے (علامہؒ نے) اخلاقی معیار کو ایک ام الفضائل کی شکل میں پیش کیا ہے۔"

دوسرے مقام پر وہ رقمطراز ہیں:

"اقبال خودی کے استحکام کو مقصد بالذات مانتے ہیں نہ صرف مقصد بالذات بلکہ وہ مقصد اعلیٰ کہ تمام دوسرے مقاصد اور اقدار اس مقصود کو حاصل کرنے کے صرف ذرائع ہیں۔"

ان دونوں باتوں میں کافی تضاد نظر آتا ہے۔ ایک جگہ پروفیسر صاحب اخلاقی معیار کو ام الفضائل قرار دیتے ہیں اور دوسری جگہ وہ خودی کے استحکام یا خودی کو ام الفضائل کا درجہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے یا تو دوسری تحریر لکھتے وقت اپنی پہلی تحریر اُن کے ذہن سے اوجھل ہوگئی ہے یا وہ خودی کو اور اخلاقی معیار کو بالکل ہم معنی الفاظ خیال کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک چیز بھی علامہ مرحوم کے نزدیک ام الفضائل نہیں بلکہ خدا کی خوشنودی اور اُس کے رسول کی اطاعت اور اس سے محبت ام الفضائل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ خودی کو اس لیے مستحکم کرنا چاہتے ہیں کہ اعلائے کلمۃ الحق کے کام آسکے، ملی استحکام کا باعث بنے اور اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کا ذریعہ ثابت ہوسکے۔

دوسری چیز جس کی اس کتاب میں کمی محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ فاضل مصنف نے اخلاق کے مختلف نظریات پر خوب دل کھول کر بحث کی ہے۔ فلسفۂ اخلاق کے بہت سے حکماء کے نام گنائے ہیں۔ ان کے نظریات کی تشریح بھی کی ہے۔ پھر فلسفۂ اخلاق کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ سارا حصہ بڑا قابلِ قدر ہے اور مصنف کی محنت اور وسعتِ مطالعہ کا پوری طرح آئینہ دار۔ لیکن ذہن میں یہ سوال بار بار اُبھر کر آتا ہے کہ کیا ان مغربی مفکرین کے علاوہ جن کا ذکر بعد احترام کیا گیا ہے، ہمیں اس میدان میں مشرق سے قطعاً کوئی رہنمائی نہیں ملتی۔ کیا ہمارے ہاں کوئی "دانائے راز" ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے اس موضوع پر کوئی قابلِ قدر بات کی ہو۔ اُمتِ مسلمہ کی تاریخ کے ساتھ یہ ایک بہت بڑی ناانصافی ہے۔

پھر فاضل مصنف نے اخلاق کے اُن سارے نظریات پر بحث کی ہے جو ہمیں مغرب سے

ہاں ملتے ہیں لیکن انہوں نے اخلاق کے اضافی نظریہ کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اخلاق پر کوئی بحث اس نظریہ پر گفتگو کیے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس نظریہ نے تو مشرق اور مغرب کے اخلاق کو سب سے زیادہ تہ و بالا کیا ہے اور آج بھی اس کی تباہ کاریاں کچھ کم نہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اضافیت اسلامی تعلیمات سے کہیں میل نہیں کھاتی۔ اسلام نے اخلاق کے ایسے پائیدار بنیادی اصول دیئے ہیں جو زمان و مکان کی تبدیلیوں کے ساتھ متغیر نہیں ہوتے اور جیسا کہ فاضل مصنف نے خود اعتراف کیا ہے علامہ اقبالؒ کی بنیاد قرآنی اصولوں پر ہے۔ ایسی صورت میں اسلامی اخلاقیات اور نظریہ اضافیت کا موازنہ بہت ضروری تھا۔

یہ چند گزارشات ہیں جنہیں ہم فاضل مصنف کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں ہمیں ان کی حق پسند طبیعت سے پوری توقع ہے کہ وہ ان پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے اور آئندہ ایڈیشن شائع کرنے سے پیشتر ان میں مناسب تبدیلیاں کر دیں گے۔